1

وقفِ زندگی کی نئی تحریک جماعت کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے

جماعت کے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں اور اس تحریک کے تحت خدمتِ دین کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں

(فرمودہ 3 جنوری 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں بیان کیا تھا اور پھر جلسہ سالانہ کے موقع پر اپنی 27 دسمبر کی تقریر میں بیان کیا تھا کہ جماعت کے وہ دوست جنہیں سلسلہ کی تبلیغ سے لگاؤ ہو یا تعلیم و تدریس کا شوق رکھتے ہوں وہ جماعت کی ترقی کے لیے اپنے آپ کو نئے وقف کے ماتحت پیش کریں۔ سلسلہ اُن کی مدد کرے گا اور خود بھی اُن کو کمائی کرنے کی اجازت دے گا۔ اِس طرح اُن کا عمدگی سے گزارہ ہوتا رہے گا۔ چار پانچ سال تک امید ہے کہ مدرسہ احمدیہ جدید جو قائم ہوا ہے اس کی چار پانچ جماعتیں نکل آئیں گی اور چونکہ یہاں اردو میں پڑھائی ہے اس لیے وہ نوجوان پرائمری تک اردو میں تعلیم دے سکیں گے اور ساتھ ہی وہ واعظ اور مبلغ بھی ہوں گے لیکن اس کے درمیان جو وقفہ ہے اُس کو پُر کرنے کے

لیے ہمیں واقفین کی ضرورت ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ جلسہ سالانہ سے پہلے تو بعض نوجوانوں کی درخواستیں آتی رہیں کہ ہم اپنے آپ کو اس سکیم کے ماتحت وقف کرتے ہیں لیکن جب میں نے وقف کی شرائط بیان کیں تو پھر ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ ہم اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو ایک بار پھر اس وقف کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس قسم کے وقف جاری کرنے پڑیں گے اور چاروں طرف رُشد و اصلاح کا جال پھیلانا پڑے گا یہاں تک کہ پنجاب کا کوئی گوشہ اور کوئی مقام ایسا نہ رہے جہاں رُشد و اصلاح کی کوئی شاخ نہ ہو۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک مربی ایک ضلع میں مقرر ہو گیا اور وہ دورہ کرتا ہوا ہر ایک جگہ گھنٹہ گھنٹہ، دو دو گھنٹہ ٹھہرتا ہوا سارے ضلع میں پھر گیا۔ اب ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ ہمارے مربی کو ہر گھر اور ہر جھونپڑی تک پہنچنا پڑے گا۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب میری اس نئی سکیم پر عمل کیا جائے اور تمام پنجاب میں بلکہ کراچی سے لے کر پشاور تک ہر جگہ ایسے آدمی مقرر کر دیئے جائیں جو اُس علاقہ کے لوگوں کے اندر رہیں اور ایسے مفید کام کریں کہ لوگ اُن سے متأثر ہوں۔ وہ انہیں پڑھائیں بھی اور رُشد و اصلاح کا کام بھی کریں۔ اور یہ جال اتنا وسیع طور پر پھیلایا جائے کہ کوئی مچھلی باہر نہ رہے۔ کنڈی ڈالنے سے صرف ایک ہی مچھلی آتی ہے لیکن اگر مہا جال ڈالا جائے تو دریا کی ساری مچھلیاں اس میں آ جاتی ہیں۔ ہم ابھی تک کنڈیاں ڈالتے رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے ایک ایک مچھلی ہی ہمارے ہاتھ میں آتی رہی ہے لیکن اب مَہا جال ڈالنے کی ضرورت ہے اور اِس کے ذریعہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ کے لوگوں تک ہماری آواز پہنچ جائے بلکہ ہر گاؤں کے ہر گھر تک ہماری پہنچ ہو۔ پہلے لڑکوں اور لڑکیوں تک ہماری پہنچ ہو، پھر لڑکوں اور لڑکیوں کے ماں باپ تک ہماری پہنچ ہو اور اس کے بعد سارے گاؤں تک ہماری پہنچ ہو جائے۔ پھر گاؤں سے نکل کر چار چار، پانچ پانچ میل تک کے دیہات میں ہماری پہنچ ہو جائے اور پھر یہ دائرہ دس دس پندرہ پندرہ میل تک وسیع ہو جائے۔ اس کے بعد اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ تیس تیس میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ پینتالیس میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ ساٹھ میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ پچھتّر میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ نوّے میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ

ایک سَو پانچ میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ ایک سَو بیس میل تک چلا جائے۔ گویا اگر ہم صرف بیس اسکول کھول دیں اور پندرہ پندرہ میل کے دائرہ میں ایک اسکول رکھیں تو تین سَو میل تک ہمارا دائرہ بڑھ جاتا ہے۔ اور اگر بیس سکول ایک طرف ہوں اور بیس سکول دوسری طرف ہوں تو تین سَو میل اِدھر اور تین سَو میل اُدھر ہمارا دائرہ بڑھ جاتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارا دائرہ نوّے ہزار مربع میل تک وسیع ہو جاتا ہے اور سارے پنجاب کا رقبہ باسٹھ ہزار مربع میل ہے۔ غرض اگر ہم اس تجویز پر عمل کریں تو رفتہ رفتہ سارا مغربی اور مشرقی پاکستان اس کے احاطہ میں آ جاتا ہے۔ پس جب تک ہم اس مہاجال کو نہ پھیلائیں گے اُس وقت تک ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تین چار سال تک جیسا کہ میں نے بتایا ہے مدرسہ احمدیہ سے فارغ ہونے پر ہمیں ایسے نوجوان مل جائیں گے جو دین کی خدمت کے لیے آگے آ جائیں گے اور ان کے لیے بظاہر اَور کوئی کام نہیں ہوگا کیونکہ ہم نے مولوی فاضل کی ڈگری کو اُڑا دیا ہے۔ پہلے لڑکے مولوی فاضل پاس کر کے گورنمنٹ سروس میں چلے جاتے تھے۔ اس لیے اب ہم نے مولوی فاضل کو اُڑا دیا ہے۔ ہم انہیں اپنے ہی امتحان پاس کرائیں گے تا کہ وہ فارغ ہو کر دین کی خدمت کریں۔ آخر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ہزاروں روپیہ خرچ کر کے فارغ التحصیل نوجوان گورنمنٹ کو دے دیں اور وہ انہیں اپنے سکولوں میں لگا لے۔ اب جو نوجوان تعلیم حاصل کریں گے وہ مجبور ہوں گے کہ دین کی خدمت کریں۔ بیشک سلسلہ بھی مجبور ہوگا کہ اُن کے کھانے پینے کا مناسب انتظام کرے لیکن وہ بھی مجبور ہوں گے کہ اپنے کھانے پینے کا سامان سلسلہ سے آ کر لیں اور اپنی خدمات سلسلہ کے لیے وقف کریں۔ باہر جا کر اُن کو کچھ نہیں ملے گا اور ان کو نہ رکھ کر سلسلہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ گویا دونوں ایک دوسرے کے گلے میں رسّی باندھے ہوئے ہوں گے۔ مدرسہ احمدیہ کی تعلیم سے فارغ ہونے والے نوجوانوں نے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے گلے میں رسّی باندھی ہوئی ہوگی کہ اگر ہم سے کام نہیں لو گے تو تم کو مبلّغ نہیں ملیں گے اور صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید نے اُن کے گلے میں رسّی باندھی ہوئی ہوگی کہ اگر تم ہمارا کام نہیں کرو گے تو تم کو بھی روٹی نہیں ملے گی۔ اِس طرح دونوں فریق مجبور ہوں گے کہ ایک دوسرے کا کام کریں اور اِن دونوں کے ملنے سے لاکھوں میل کے رقبہ میں تبلیغ کو وسیع کیا جا سکے گا۔

جہاں تک چندے کا سوال ہے میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ ہماری جماعت چندہ دینے کی عادی

ہے اس لیے آہستہ آہستہ رقم آنی شروع ہو جائے گی۔ جو رقم میں نے تجویز کی ہے وہ بہت معمولی ہے یعنی صرف چھ روپیہ سالانہ ہے۔ تحریک جدید میں اِس وقت بیس بائیس ہزار آدمی چندہ دے رہے ہیں۔ اگر زور دیا جائے تو کوئی بعید نہیں کہ اِس سکیم میں ایک لاکھ آدمی چندہ دینے لگ جائیں۔ تحریک جدید کی رقم بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں بعض لوگ پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ بلکہ سَو سَو روپیہ بھی دیتے ہیں۔ یہ رقم چونکہ کم ہے اس لیے کوئی بعید نہیں کہ اس سکیم میں حصہ لینے والے ایک لاکھ ہو جائیں۔ اور اگر ایک لاکھ احمدی چھ روپیہ سالانہ کے حساب سے چندہ دے تو چھ لاکھ روپیہ آ جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ خرچ جو ایک واقفِ زندگی پر اس سکیم کے ماتحت کیا جائے گا وہ ساٹھ روپیہ ماہوار ہے۔ گویا دس واقفینِ زندگی پر سات ہزار دو سَو روپیہ سالانہ خرچ آئے گا بلکہ اگر کم سے کم رقم دی جائے یعنی چالیس روپیہ ماہوار تو دس واقفین پر چار ہزار آٹھ سَو روپے سالانہ خرچ آئے گا اور سو واقفین چار لاکھ اسّی ہزار روپے میں رکھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں اگر پورے طور پر اس سکیم پر توجہ دی جائے تو اس میں حصہ لینے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ اور اگر ڈیڑھ لاکھ آدمی چھ روپیہ سالانہ کے حساب سے چندہ دے تو نو لاکھ روپیہ سالانہ آمد ہوتی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ ماہوار پچھتّر ہزار روپیہ آ جائے گا۔ میں نے جو سکیم پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ فی الحال صرف دس واقفین لیے جائیں اور انہیں چالیس سے ساٹھ روپیہ تک ماہوار گزارہ دیا جائے۔ اگر نو لاکھ روپیہ سالانہ آمد ہو جائے تو اس سے کئی گُنا زیادہ واقفین رکھے جا سکتے ہیں کیونکہ ہر ایک واقفِ زندگی کو اگر ساٹھ روپے ماہوار دیں تو پچھتّر ہزار میں بارہ سَو پچاس مبلغ رکھے جا سکتے ہیں۔ اور جب صحیح رنگ میں کام شروع ہو جائے گا تو ڈیڑھ لاکھ تو کیا میرا خیال ہے پانچ چھ لاکھ احمدی اِس سکیم میں چندہ دینے لگ جائیں گے اور پھر ممکن ہے کہ وہ چندہ بڑھا کر دینے لگ جائیں۔ اگر ہر ایک آدمی میرے بتائے ہوئے چندہ سے دوگُنا یعنی بارہ روپیہ سالانہ دے اور جماعت کے چھ لاکھ افراد چندہ دیں تو بہتّر لاکھ روپیہ سالانہ آمد ہو جاتی ہے یعنی چھ لاکھ روپیہ ماہوار۔ اور اس میں ہم دس ہزار مبلّغ رکھ سکتے ہیں۔ اور دس ہزار مبلّغ رکھنے سے ملک کی کوئی جہت ایسی نہیں رہتی جہاں ہماری رُشد و اصلاح کی شاخ نہ ہو۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مشرقی بنگال والے اپنا بوجھ خود اُٹھا لیں اور وہ خود اس سکیم کے لیے رقم جمع کر لیں۔ ایسٹ بنگال کا رقبہ صرف چون ہزار مربع میل ہے۔ اگر ایک لاکھ آدمی اس سکیم میں حصہ لے تو اُن کا کام چل سکتا ہے بلکہ

پچاس ہزار آدمی بھی حصہ لے تو ایسٹ پاکستان اپنے کام کو سنبھال سکتا ہے۔

پس میں جماعت کو اِس خطبہ کے ذریعہ پھر تحریک کرتا ہوں کہ نوجوان اس وقف میں اپنے نام لکھائیں اور آگے آنے کی کوشش کریں تا کہ جلد سے جلد انہیں مختلف جگہوں پر بٹھا دیا جائے اور دکانیں اور مدرسے کھول دیئے جائیں اور احمدیت کا پھل نکلنا شروع ہو جائے۔ یہ یاد رکھو کہ مذہب کی تبلیغ پھل کی طرح ہوتی ہے اور پھل ایک دن میں نہیں نکلا کرتا۔ اگر تم کسی زمین میں گندم بو دو تو تمہیں چھ ماہ میں پھل مل جائے گا لیکن باغ کا پھل بعض اوقات آٹھ سال میں بھی نہیں مل سکتا۔ اگر تم باغ لگانا شروع کر دو اور پھر ایک ایک باغ باری باری لگاؤ تو ایک باغ کا پھل تمہیں آٹھ سال بعد ملے گا، دوسرے کا سولہ سال بعد ملے گا، تیسرے کا چوبیس سال بعد ملے گا، چوتھے کا بتّیس سال بعد ملے گا، پانچویں کا چالیس سال بعد ملے گا، ساتویں سال کا چھپّن سال بعد ملے گا، آٹھویں کا چونسٹھ سال بعد ملے گا، نویں کا بہتّر سال بعد ملے گا، دَسویں کا اسّی سال بعد ملے گا، گیارھویں کا اٹھاسی سال بعد ملے گا، بارھویں کا چھیانوے سال بعد ملے گا اور تیرھویں کا ایک سَو چار سال بعد ملے گا۔ اور تم میں سے کون ہے جو کہہ سکے کہ وہ ایک سَو چار سال تک زندہ رہے گا۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلد اِس وقف کی طرف توجہ کرے اور اپنے آپ کو ثواب کا مستحق بنا لے۔ یہ مُفت کا ثواب ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔ اگر تم اسے نہیں لو گے تو یہ تمہاری بجائے دوسروں کو دے دیا جائے گا۔ دیکھو! جب یہاں کے لوگوں نے احمدیت کی طرف توجہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ ایسٹ اور ویسٹ افریقہ کو آگے لے آیا۔ اِسی طرح اَور کئی ملک احمدیت کی طرف توجہ کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ نے جو کام کرنا ہوتا ہے اُس کے لیے وہ کوئی نہ کوئی ذریعہ نکال دیتا ہے۔ اب ایسے ایسے ملک ہیں جن میں دس دس پندرہ پندرہ ہزار احمدی ہیں۔ اگر باہر کے سارے احمدیوں کو ملا لیا جائے تو وہ پاکستان کے احمدیوں کے برابر ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جب یہاں کے لوگوں نے احمدیت کو قبول کرنے میں سُستی کی تو خدا تعالیٰ نے دوسرے ملکوں کے لوگوں کو احمدیت میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اگر غانا، سیرالیون، نائیجیریا اور ایسٹ افریقہ کے علاقوں کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا اور امریکہ کے علاقوں ٹرینیڈاڈ، ڈچ گی آنا، برٹش گی آنا، فرنچ گی آنا، یو۔ایس۔اے اور دوسرے تمام یورپین اور ایشیائی ممالک کو جہاں جہاں احمدی پائے جاتے ہیں ملا لیا جائے تو پتا لگ جائے گا کہ ان

کی مشترکہ احمدی آبادی مغربی پاکستان کی احمدی آبادی سے کم نہیں۔ خدا تعالیٰ کو اِس بات سے کوئی غرض نہیں کہ سارے احمدی ایک ہی ملک میں پائے جائیں بلکہ وہ جہاں چاہتا ہے احمدیت کو پھیلا دیتا ہے۔ پہلے مغربی پاکستان نے احمدیت کی طرف توجہ دی تو خدا تعالیٰ نے مغربی پاکستان میں احمدیوں کی تعداد کو بڑھا دیا۔ پھر ایسٹ پاکستان نے اس طرف توجہ کی تو خدا تعالیٰ نے وہاں ایک بہت بڑی تعداد احمدیوں کی پیدا کر دی۔ پھر اس نے احمدیت کو سیرالیون، غانا، نائیجیریا، ٹرینیڈاڈ، برٹش گی آنا، فرنچ گی آنا، ڈچ گی آنا، یُو۔ایس۔اے، ویسٹ اور ایسٹ افریقہ اور دوسرے علاقوں میں پھیلانا شروع کر دیا۔ ان سارے علاقوں کی احمدی آبادی کو ملا لیا جائے تو غالباً وہ مغربی پاکستان کی احمدی آبادی سے کم نہیں ہوگی۔ پھر بیرونی ممالک میں تو بیس تیس سال سے تبلیغ ہو رہی ہے اور یہاں ستّر سال سے تبلیغ ہو رہی ہے اور پھر جتنے مبلّغ اِس ملک کو ملے ہیں دوسرے ممالک کو نہیں ملے۔

مثلاً حافظ روشن علی صاحب تھے، مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب شمس ہیں اور پھر اَور بہت سے مبلّغ ہیں جن کے نام اِس وقت ذہن میں نہیں آ رہے یہ سب اِسی ملک میں تبلیغ کرتے رہے۔ پرانے زمانہ میں قاضی امیر حسین صاحب تھے، مولوی سید سرور شاہ صاحب تھے، مولوی برہان الدین صاحب تھے اور شیخ غلام احمد صاحب تھے۔ یہ لوگ باہر جاتے تھے اور تبلیغِ احمدیت کرتے تھے۔ پھر پروفیسر عبدالقادر صاحب کے چچا مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری تھے۔ ان کی تعلیم صرف مڈل تک تھی مگر انگریزی زبان میں انہیں اتنی مہارت تھی کہ ایک دفعہ مدراس میں ان کا لیکچر ہوا تو گورنر ان کا لیکچر سننے کے لیے آیا اور بعد میں اس گورنر نے کہا کہ ہم بھی اتنی اچھی انگریزی نہیں بول سکتے جتنی اچھی انگریزی مولوی صاحب نے بولی ہے۔ انہوں نے ایک کتاب ''تائیدِ حق'' بھی لکھی ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو میں اُس وقت تک سویا نہیں جب تک کہ میں نے اس ساری کتاب کو ختم نہ کر لیا۔ مولوی صاحب شروع شروع میں ایمان لائے۔ پھر احمدیت کی تبلیغ کے لیے ملک کے مختلف علاقوں میں پھرتے رہے۔ ان کی تعلیم معمولی تھی مگر ذاتی مطالعہ سے انہوں نے اپنی لیاقت بڑھا لی تھی۔ اِسی طرح دوسرے لوگ بھی ذاتی مطالعہ سے اپنی قابلیت بڑھا سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہمت ہو۔ جب ہمّت گر جاتی ہے تو انسان سمجھ لیتا ہے کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی تھوڑا سا کام کرنے والا آدمی بھی ہو تو میں نے دیکھا ہے کہ وہ دوسروں

سے بہت آگے نکل جاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کئی بی۔اے، بی۔ٹی ہوتے ہیں مگر جب ان کے سپرد کوئی کام کیا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے یہ نہیں ہوسکتا، ہماری طبیعت کا اس کام سے کوئی لگاؤ نہیں لیکن مولوی حسن علی صاحب صرف مڈل پاس تھے اور انہوں نے وہ کام کیا جو آجکل کے بی۔اے، بی۔ٹی بھی نہیں کر سکتے۔ اُن کا یہ کہنا کہ فلاں کام ہم سے نہیں ہوسکتا یا ہماری طبیعت اس طرف راغب نہیں محض دھوکا اور فریب ہوتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے باوجود ہم اپنی طبیعت کو اس طرف راغب کرنا نہیں چاہتے۔ یہ اصل فقرہ ہے جو انہیں کہنا چاہیے لیکن وہ یہ فقرہ نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہماری طبیعت کا اس طرف لگاؤ ہی نہیں حالانکہ خدا تعالیٰ تو کہتا ہے کہ ہم نے ہر انسان کو اعلیٰ قوتیں دے کر بھیجا ہے اور اسے احسنِ تقویم میں پیدا کیا ہے۔1 اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہماری طبیعت کا اس طرف لگاؤ نہیں تو یہ محض بہانہ ہوتا ہے۔ دراصل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کہہ دیا کہ ہم فلاں کام نہیں کرتے تو دوسرے ناراض ہوں گے۔ اس لیے وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری طبیعت کا اس سے لگاؤ نہیں۔

پس ضرورت اس بات کی ہے کہ تم اپنے اندر روحانیت پیدا کرو اور تقویٰ پیدا کرو۔ بھلا یہ تو دیکھو کہ اب تو صدر انجمن احمدیہ یا تحریک جدید کچھ نہ کچھ دیتی ہے لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا تھا تو اُن کے پاس کونسا روپیہ تھا۔ جب خدا تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ اُٹھ اور دنیا سے کہہ کہ میں مسیح موعود ہوں تو آپ کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا پھر بھی آپ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو کہنا شروع کر دیا کہ میں مسیح موعود ہوں اور اس کی پہلی جزا آپ کو یہ ملی کہ آپ کو دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے پتھر پڑنے شروع ہوئے لیکن آپ پھر بھی کام کرتے رہے اور کبھی بھی خدا تعالیٰ سے یہ نہ کہا کہ اے اللہ! تُو نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ کھڑا تو تُو نے مجھے مسیح موعود بنا کر کیا تھا اور یہاں یہ صورتِ حال ہے کہ چاروں طرف سے پتھر پڑ رہے ہیں۔

آپ ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اَور شخص بھی تھا جس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہوا تھا۔ اُس کا بھائی بعد میں توبہ کر کے احمدی ہوگیا تھا۔ بڑا سادہ آدمی تھا، داڑھی اُس نے سکھوں والی رکھی ہوئی تھی۔ وہ قادیان میں بھی آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں لاہور گیا تو وہ دو اندھے پکڑ کر لے آیا اور کہنے لگا یہ میرا شکار ہیں۔ وہ سارا دن اُن کی خدمت کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا، اُن کے کپڑے

دھوتا اور جُوئیں نکالتا تھا۔ یہ سلوک دیکھ کر انہوں نے احمدی تو ہونا ہی تھا۔ سنا ہے کہ اب وہ فوت ہو گیا ہے۔ اُس کا بھائی سخت مخالف تھا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام انارکلی میں سے گزر رہے تھے اور آپ کے ساتھ شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم اور بعض اَور دوست تھے کہ اُس نے پیچھے سے آ کر آپ کی پیٹھ پر اچانک زور سے لات ماری جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام گر گئے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب اسے مارنے پر آمادہ ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا شیخ صاحب! اسے کچھ نہ کہیں۔ اس نے مجھے یہ سمجھ کر مارا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتا ہوں۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں کرتا تو یہ ایسی حرکت ہی کیوں کرتا۔

ہماری جماعت میں ایک پروفیسر عبداللہ صاحب ہوا کرتے تھے۔ وہ واقع میں پروفیسر نہیں تھے بلکہ اُن کا نام پروفیسر اس لیے پڑ گیا تھا کہ وہ شعبدہ بازی اور مداریوں کے کرتب وغیرہ جانتے تھے۔ ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم لاہور سے قادیان گئے تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے شکایت کی کہ پروفیسر صاحب بڑے تیز مزاج ہیں۔ اگر کوئی ان کے سامنے حضور کو بُرا بھلا کہے تو وہ اسے گالیاں دینے لگ جاتے ہیں اور کہتے ہیں خبردار! اگر تُو نے اب کے گالی نکالی تو میں تیرے منہ پر مُکّا ماروں گا۔ تُو کون ہوتا ہے جو حضرت صاحب کو گالیاں دے۔ کچھ دنوں کے بعد پروفیسر صاحب قادیان آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں بلایا اور فرمایا پروفیسر صاحب! میں نے سنا ہے کہ آپ کے سامنے جب مجھے کوئی بُرا بھلا کہے تو آپ اُس سے لڑنے لگ جاتے ہیں۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے اور صبر اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نرمی کی تعلیم دی ہے سختی کی تعلیم نہیں دی۔ اُن کی طبیعت بڑی تیز تھی۔ یہ سنتے ہی اُن کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور کہنے لگے میں یہ بات ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں۔ آپ کے پیر (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اگر کوئی بُرا بھلا کہے تو آپ فوراً اُس سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں صبر کرو۔ خود تو کہتے ہیں کہ

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ بترس از تیغِ برّانِ محمد
کرامت گرچہ بے نام و نشاں است بیا بنگر ز غلمانِ محمد [2]

یعنی اے مخاطب! اگر تُو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتا ہے تو جان لے کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے ایک تلوار بھی دی ہوئی ہے۔ تُو اُس سے ڈر۔ اور اگر تجھے یہ خیال ہے کہ اس زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی کرامت نہیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے پاس آ اور اِن سے کرامت دیکھ لے۔ اُن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لیکھرام کی بدزبانیوں کے مقابلہ میں یہ شعر کہے تھے۔ انہیں کی طرف پروفیسر عبداللہ صاحب نے اشارہ کیا اور کہا کہ آپ کے پیر کو اگر کوئی بُرا بھلا کہتا ہے تو آپ فوراً جوش میں آ جاتے ہیں اور اُسے مباہلہ کا چیلنج دے دیتے ہیں لیکن اگر کوئی میرے پیر کو گالیاں دے تو آپ کہتے ہیں صبر کرو۔ میں ایسی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔

صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کا بھی ایک اِسی قسم کا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ میاں چٹو جو قریشی محمد حسین صاحب موجد مفرح عنبری لاہور والوں کے دادا تھے اور اہلِ قرآن میں سے تھے انہوں نے ایک عرب کو جو ہندوستان میں آیا ہوا تھا لکھنو سے بُلایا۔ اُن کی غرض یہ تھی کہ اگر وہ شخص اہلِ قرآن ہو گیا تو عرب میں یہ مذہب پھیل جائے گا۔ میاں چٹو اُس عرب کو قادیان لائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کروائی۔ گفتگو کے دوران میں وفاتِ مسیح کا ذکر آ گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ پنجابی تھے اور آپ مولویوں کی طرح تلفظ ادا نہیں کرتے تھے اس لیے آپ نے سادہ طریق پر قرآن کہہ دیا۔ اِس پر وہ عرب کہنے لگا کہ مسیح موعود بنا پھرتا ہے اور قرآن کہنا بھی نہیں آتا۔ ''ق'' کی بجائے ''کاف'' کہتا ہے۔ اُس کی زبان سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید نے یکدم اپنا ہاتھ اُٹھایا اور اُسے مارنا چاہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی عبدالکریم صاحب سے کہا ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور جب تک یہ لوگ اس مجلس سے اُٹھ کر چلے نہ جائیں انہیں چھوڑیں نہیں اور صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا یہ حال تھا کہ وہ کانپتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے مجھے چھوڑو میں اسے کچل کر رکھ دوں گا اِس نے حضرت صاحب کی ہتک کی ہے۔

پروفیسر عبداللہ صاحب جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے یوپی کے رہنے والے تھے اور سارے ہندوستان میں تماشے دکھاتے پھرتے تھے۔ پھر وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلیم حاصل کی۔ اُس وقت ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ وہ پہلے بڑے بڑے سرکسوں کے مالک

تھے۔ قادیان آئے تو ان کی یہ حالت تھی کہ وہ مہمان خانہ میں بیٹھ جاتے اور کوئی لڑکا آتا تو اُسے سیر بین دکھا دیتے اور وہ آنہ یا دونّی دے دیتا اور اس میں گزارہ کر لیتے۔ کچھ عرصہ تک وہ پھیری کا کام بھی کرتے رہے۔ جب وہ لوگ اِس طرح گزارہ کر لیا کرتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے نوجوان اِس طرح گزارہ نہ کر سکیں۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لوگ اپنا وسیع کاروبار چھوڑ کر قادیان آ گئے تھے اور وہاں پر کسی نہ کسی طرح اپنی روٹی کما لیتے تھے اور گزارہ کر لیتے تھے۔ جو مال دار لوگ اُس زمانہ میں آئے اُن کا بھی یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنے سب مال لُٹا دیئے۔ مثلاً سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی تھے۔ ان کی تجارت بڑی وسیع تھی۔ مگر انہوں نے اپنا سارا روپیہ آہستہ آہستہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دیا۔ بعد میں جب وہ دیوالیہ ہو گئے تو ان کے ایک دوست سیٹھ لال جی وال جی تھے اور وہ بھی بہت بڑے تاجر تھے۔ سیٹھ صاحب نے انہیں تحریک کی کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کرایا کریں اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ اور پھر کہا میں آپؑ کو ماہوار نذرانہ کے طور پر ایک بڑی رقم بھجوایا کرتا تھا آپ بھی انہیں نذرانہ بھجوایا کریں۔ چنانچہ انہوں نے ساڑھے تین سَو روپیہ ماہوار بھجوانا شروع کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں روحانیت پائی جاتی تھی ورنہ وہ سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی کو کہہ دیتے کہ آپ نے دعا کرا کے کیا لیا؟ آپ کا تو پہلا کاروبار بھی نہ رہا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ انہیں جو برکتیں ملی ہیں وہ روحانی ہیں اور اُن کو بھی روحانی برکتیں ہی ملیں گی۔ اس لیے انہوں نے سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی کی نصیحت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

پھر ہمارے ایک دوست چودھری رستم علی صاحب تھے۔ پہلے وہ سپاہی تھے۔ پھر کانسٹیبل ہو گئے۔ پھر سب انسپکٹر بنے۔ پھر پراسیکیوٹنگ (PROSECUTING) انسپکٹر بنے۔ اُس وقت تنخواہیں بہت تھوڑی تھیں۔ آجکل تو ایک سپاہی کو مہنگائی الاؤنس وغیرہ ملا کر قریباً ساٹھ روپیہ ماہوار مل جاتے ہیں لیکن اُن دنوں سپاہی کو غالباً گیارہ روپے، تھانیدار کو چالیس روپے اور انسپکٹر کو پچھتّر یا سَو روپے ملتے تھے اور پراسیکیوٹنگ (PROSECUTING) افسر کو سَو سے کچھ زیادہ ملتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اپنی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھجوا دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ انہیں یکدم آرڈر آ گیا کہ ان کو عہدہ میں ترقی دی جاتی ہے اور تنخواہ اتنی بڑھائی جاتی ہے۔ اس کے بعد ان کی تنخواہ میں جو بڑھوتی ہوئی وہ ساری کی ساری وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیج دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت صاحب کو جو خط لکھا وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے پڑھ کر بتایا کہ یہ خط چودھری رستم علی صاحب کا ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ میں سَو روپیہ تو پہلے ہی بھیجا کرتا تھا لیکن اب میری تنخواہ میں اسّی روپے کی ترقی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض حضور کی دعاؤں کے طفیل ہوئی ہے اور آپ کے لیے ہوئی ہے اس لیے اب میں آپ کو ایک سَو اَسّی روپے ماہوار بھیجا کروں گا۔ میں اس بڑھوتی کا مستحق نہیں ہوں بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں پہلی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں تھا۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی خاطر ہی دے رہا ہے۔

اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کو جو مالدار دیئے تھے وہ بھی کیسی کیسی قربانیاں کرتے تھے اور پھر اُن قربانیوں میں بڑھتے چلے جاتے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کو دیکھ لو اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کرے۔ بیشک آخر میں اُن میں بگاڑ پیدا ہوا لیکن شروع شروع میں وہ پشاور میں نہایت کامیاب وکیل تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک مقدمہ ہوا تو آپ نے خواجہ صاحب کو لکھا کہ اِس اِس طرح ایک مقدمہ ہے جس میں ایک احمدی وکیل کی نگرانی کی ضرورت ہے۔ اِس پر آپ اپنی کامیاب وکالت چھوڑ کر پشاور سے گورداسپور آ گئے۔ گو ایک بات ضرور ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ آخر شاید گرے بھی اِسی کی وجہ سے تھے اور وہ یہ کہ جب ان پر تنگی آتی تھی تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روپیہ مانگ لیا کرتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں شاید یہی کمزوری بعد میں ان کی خرابی کی وجہ ہوئی۔ ورنہ انہوں نے بھی بہت قربانی کی تھی۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں ان کی قربانی اپنے سب ساتھیوں سے زیادہ تھی۔

مولوی محمد علی صاحب کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بڑی قربانی کی۔ انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور کی پروفیسری چھوڑی تھی اور اُس وقت پروفیسری کی تنخواہ اَسّی نوّے روپے ماہوار ہوا کرتی تھی اور انہوں نے قادیان آ کر انجمن سے بیس روپیہ ماہوار تنخواہ لی لیکن حقیقت میں ان کو بیس نہیں بلکہ ایک سَو بیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی۔ بیس روپے انجمن کی طرف سے ملتے تھے اور

ایک سَو روپے ماہوار ان کے لیے نواب صاحب انجمن کو دیا کرتے تھے۔ غرض مولوی محمد علی صاحب نے تو قادیان جا کر فائدہ اُٹھا لیا لیکن خواجہ صاحب نے اپنی کامیاب وکالت چھوڑ دی۔ انہوں نے مولوی محمد علی صاحب جیسا فائدہ نہیں اُٹھایا۔ ہاں! اگر کبھی ضرورت ہوتی تو حضرت صاحب سے کچھ مانگ لیا کرتے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب نے قادیان آ کر تنخواہ لی اور پھر اسے بڑھاتے چلے گئے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب ان کی تائید کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان کی تنخواہ بہت تھوڑی ہے اس لیے ان کی تنخواہ بڑھانی چاہیے۔ ایک دفعہ میں نے کہا مولوی صدر دین صاحب کی تنخواہ بھی بڑھانی چاہیے تو مولوی محمد علی صاحب کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور کہنے لگے آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں نے کوئی قربانی نہیں کی۔ میں نے کہا یہ بات نہیں بلکہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مولوی صدر دین صاحب نے بھی تو قربانی کی ہے ان کی تنخواہ بھی بڑھانی چاہیے۔

تو یاد رکھو! آنے والے آئیں گے اور انہیں رزق بھی خدا تعالیٰ دے گا۔ مگر پہلے آنے والوں کے لیے بہت برکت ہوگی۔ جو پہلے آئیں گے اُن کے لیے جنت کے دروازے پہلے کھولے جائیں گے اور جو بعد میں آئیں گے ان کے لیے جنت کے دروازے بھی بعد میں کھولے جائیں گے‘‘۔

(الفضل 11 جنوری 1958ء)

1: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین:5)

2: درثمین فارسی صفحہ 142